© rasailojaraid.com

اردو تفاسیر - ایک جائزہ

ضیاء الدین اصلاحی

تفسیر کے لفظی معنی ظاہر کرنا اور کھول کر بیان کرنا ہیں لیکن اصطلاح میں قرآن مجید کے معنی و مفہوم کی تشریح و توضیح کو تفسیر کہتے ہیں، امام بدرالدین زرکشیؒ (متوفی ۷۹۴ھ) لکھتے ہیں:

''تفسیر وہ علم ہے جس کی مدد سے اللہ کی کتاب کا جو اس نے اپنے پیغمبر محمد ﷺ پر نازل کیا ہے فہم حاصل ہو اور اس کے معانی سے واقفیت ہو اور اس کے احکام و حِکَم کا استخراج کیا جائے''۔[1]

علامہ سیوطیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''علم تفسیر میں قرآنی آیات کے نزول، اسبابِ نزول، مکی و مدنی آیات، محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و مفصل، حرام و حلال، وعد و وعید، امر و نہی اور عبرت و امثال وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے''۔[2]

غرض علم تفسیر سے قرآن مجید کے معانی و مطالب معلوم ہوتے ہیں، اس کے لیے تاویل کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے لیکن تفسیر میں اصل دار و مدار نقل و روایت پر ہوتا ہے، اور تاویل میں درایت، استنباط اور اجتہاد کو بھی دخل ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی مختلف آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی شرح و تبیین پر مامور کیا تھا مثلاً:

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون (النحل: ۴۴)	(اے محمد!) ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) اتارا تا کہ جو کچھ لوگوں کے لیے اتارا گیا ہے آپ اسے بیان کر دیں اور وہ غور و فکر کریں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

در اصل آپ کی پوری زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر تھی، اور آپ کے تمام ارشادات واقوال اسی سے ماخوذ ومستنبط ہوتے تھے، اس کے علاوہ صحابہ کرام کی نگاہوں میں قرآن مجید کا عملی پہلو غالب تھا، اور وہ عربی مبین میں نازل ہوا تھا اور وہ خود بھی اپنے کو واضح اور مبین کہتا ہے اس لیے اس کو عام طور پر اہل عرب اچھی طرح سمجھ لیتے تھے اور اکثر صحابہ کرام چونکہ عربی زبان کے ماہر اور لذت شناس تھے، اور جہاں تک اس پر عمل کرنے اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کا تعلق ہے اس میں ان کو کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی۔

غرض اہل عرب خصوصاً صحابہ کرام بہ آسانی قرآن کی تعلیم و ہدایت کو سمجھ لیتے تھے تاہم وہ بھی اس کے تمام الفاظ کے معانی اور اس کی تمام تراکیب اور تفصیلات و جزئیات سے واقف نہیں ہوسکتے تھے، اسی لیے حضرت عمرؓ صحابہ کرام سے الفاظ قرآنی کا مفہوم اکثر معلوم کرتے تھے اور کلالہ کے بارے میں خود رسول اللہ ﷺ سے بار بار پوچھا۔

قرآن مجید میں دو طرح کی آیتیں ہیں محکمات و متشابہات۔ جو آیتیں اصول دین اور احکام شریعت یا انبیائے کرام اور امم گذشتہ کے عبرت انگیز واقعات وقصص سے تعلق رکھتی ہیں، ان کو عام طور سے لوگ آسانی سے سمجھ لیتے تھے مگر ان کے حقائق ودقائق کو صرف تدبر وتفکر اور رسوخ فی العلم ہی سے جانا جاسکتا ہے اور دوسری طرح کی آیات (متشابہات) کی حقیقت وتاویل یا تو اللہ کو معلوم ہے یا راسخین فی العلم کو۔ اسی لیے قرآن مجید نے جا بجا غور وفکر کی دعوت دی ہے اور صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ جب وہ نبی ﷺ سے دس آیتیں سیکھتے تو جب تک ان کی علمی وعملی حقیقت نہ معلوم کرلیتے تھے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام میں بعض لوگ قرآن مجید کی تفسیر وتاویل میں بہت ممتاز تھے جن میں خلفائے راشدین کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ شامل ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ گو عہد صحابہ کے سب سے کم سن مفسر تھے مگر اپنی قرآن دانی اور قرآن فہمی کی بنا پر حبر امت اور ترجمان القرآن کہلاتے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی۔

اللھم فقھه فی الدین و علمه التاویل [۳] اے اللہ تو انہیں تفقہ فی الدین اور فہم قرآن عطا فرما!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر بجز حضرت ابن عباسؓ کے دوسرے تمام صحابہ سے تفسیر سے متعلق بہت کم حدیثیں مروی ہیں، حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ حضرت ابوموسی اشعریؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، جابر بن عبد اللہؓ، ابوہریرہؓ، انس بن مالکؓ اور حضرت عائشہؓ سے بھی تفسیری روایتیں منقول ہیں۔ علامہ سیوطی نے ان کو الاتقان میں جمع کر دیا ہے مگر وہ صرف ۲۰ صفحے میں ہیں۔۲؎

صحابہ کے زمانے میں اسرائیلی روایات بھی تفسیری روایات میں در آئی تھیں آنحضرت ﷺ نے چونکہ فرمایا تھا کہ اہل کتاب کی روایتوں کی تصدیق و تکذیب نہ کرو، اس لیے بعض صحابہ نے ان کی جن روایتوں کا تعلق احکام شریعت سے نہیں ہوتا تھا ان کے لینے میں حرج نہیں سمجھا، اس طرح اہل کتاب کی روایتیں قرآنی تفسیر میں شامل ہوگئیں۔ جس میں عہد تابعین میں بہت اضافہ ہوا۔ اس دور میں بھی بعض بڑے مفسر پیدا ہوئے حضرت عکرمہ، عطاء بن رباح، ضحاک بن مزاحم، سعید بن جبیر، مجاہد بن جبر، حسن بصری، مسروق، زید بن اسلم، قتادہ، ابوالعالیہ، ربیع بن انس اور عوفی وغیرہ اس طبقہ کے ممتاز مفسر ہیں۔ پھر تبع تابعین کے دور میں حاملین روایت کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی جن میں مشہور نام یہ ہیں: عطاء بن دینار، مقاتل بن سلیمان، سفیان ثوری، وکیع بن جراح، سفیان بن عینیہ، ابن جریج، اسحاق بن راہویہ، آدم بن ایاس، عبدالرزاق اور امام مالک وغیرہ۔ ان میں بعض حضرات نے تفسیر میں کتابیں بھی لکھی تھیں۔

تابعین کا طریقہ تفسیر یہ تھا کہ وہ اپنے شیوخ سے جو روایتیں قرآن مجید کی تفسیر میں سنتے تھے ان کو قلم بند کر لیتے تھے جن میں بڑا حصہ اسرائیلیات کا ہوتا تھا، اس کے بعد ان کے شاگردوں کا دور آیا جن کے عہد یعنی تیسری صدی ہجری میں عام طور سے کتابیں لکھنے کا رواج ہوا، صحاح ستہ اسی دور میں مدون کی گئی ہیں جن میں تفسیر کی روایتیں کتاب التفسیر کے عنوان سے سورتوں کی ترتیب پر جمع کی گئی ہیں، انہوں نے جستہ جستہ الفاظ و آیات قرآنی کے متعلق اپنے اساتذہ و شیوخ سے جو روایتیں سنی ہیں ان کو نقل کر دیا جو بالعموم صحابہ کرام یا ان کے تلامذہ کی مرویات ہیں، آنحضرت ﷺ سے مرفوع روایتیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہت کم ہیں۔ غرض ان کتابوں کے تفسیری ابواب بہت مختصر ہیں، کسی سورہ کے ایک یا دو لفظوں اور کسی سورہ کی صرف ایک یا دو آیتوں کے متعلق روایات درج کی گئی ہیں۔

اس دور میں جرح وتعدیل پر بھی کتابیں لکھی گئیں، اور ائمہ فن نے راویوں اور روایتوں پر تنقید کی جس کے نتیجے میں تفسیری روایات کا بڑا حصہ، ان کے رواۃ کے ضعف کی وجہ سے مشکوک ومشتبہ قرار پایا، بعض مشہور لوگ جیسے ضحاک بن مزاحم، مقاتل بن سلیمان، ابو صالح مصری، محمد بن سائب کلبی، سدی، محمد بن مروان، بشر بن عمار اور عوفی وغیرہ ضعیف اور بعض وضاع ثابت ہوئے، اسی بنا پر امام احمد بن حنبلؒ کا یہ جملہ مشہور ہوگیا ہے کہ تفسیر، مغازی اور ملاحم کی کوئی اصلیت نہیں ۵۔

بہر حال تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری میں مکمل قرآن مجید کی تفسیریں لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا، اس عہد کی مشہور تفسیر علامہ ابن جریرؒ کی ہے جو دست برد زمانہ سے محفوظ رہ گئی ہے، اس کو اپنی معاصر تفسیروں پر کئی وجوہ سے برتری حاصل ہوئی۔ وہ آیات کے الفاظ کے معانی، متقدمین کے اختلافات اسناداً درج کرکے کسی ایک کو ترجیح دیتے ہیں، آیات کے مفہوم بیان کرنے میں بھی یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں اور کہیں کہیں مسائل کا استنباط اور وجوہِ اعراب پر بھی گفتگو کرتے ہیں، اسی لیے اس کو ام التفاسیر کہا جاتا ہے، لیکن اس میں رطب ویابس ہر طرح کی روایتیں جمع کردی ہیں لیکن چونکہ وہ سنداً بیان ہوئی ہیں اس لیے ان کا نقد وجرح آسان ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں علوم وفنون کی تدوین کا آغاز ہوا تو اس کا اثر علم تفسیر پر بھی پڑا، اسی دور میں متکلمانہ انداز کی تفسیریں بھی لکھی گئیں، ابو مسلم اصفہانی اور زمخشری نے معتزلی عقائد کا اثبات کیا، عبد القاہر جرجانی اور ابو ہلال عسکری نے بلاغت ومعانی کے لطائف ظاہر کیے، محی الدین ابن عربی اور واحدی نے صوفیانہ طرز کی تفسیریں لکھیں، غرض سینکڑوں تفسیریں لکھی گئیں مگر اس وسعت کی وجہ سے بیجا تاویلات کا دروازہ بھی کھل گیا بلکہ معنوی تحریف بھی ہونے لگی اس کی وجہ یہ ہوئی کہ تفسیر کے باقاعدہ اصول متعین نہیں کیے گئے تھے البتہ متاخرین نے چند علوم کے جاننے کو مفسر کے لیے ضروری قرار دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان میں سے تین تفسیروں کو زیادہ اہمیت حاصل ہوئی، ابن جریر کی مقبولیت کا ذکر ہم کر چکے ہیں، زمخشری کی کشاف نے علمائے ادب و معانی میں اور امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر نے علمائے معقول میں شہرت حاصل کی۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ تفسیر کی ابتدا عہد نبوت اور عہد صحابہ ہی میں ہوگئی تھی اور تیسری صدی آتے آتے دوسرے علوم کی طرح یہ بھی ایک باقاعدہ علم وفن ہوگیا۔ اسلام ایک دعوتی اور تبلیغی مذہب ہے، جب اس کی اشاعت عرب سے باہر ملکوں میں ہوئی اور مسلمانوں کے قدم وہاں پہنچے تو انہوں نے کتاب وسنت کی تعلیم سے ان ملکوں کے لوگوں کو واقف کرانے کے لیے ان کے ملک کی زبانوں کا سہارا لیا اور اس میں اسلامی احکام و مسائل پر کتابیں لکھی گئیں اور قرآن کی تفسیریں اور حدیث کی شرحیں بھی لکھی جانے لگیں۔

ایران اور وسط ایشیا میں اسلام کی اشاعت ہوئی تو فارسی میں کلام مجید کے ترجمے بھی ہوئے اور تفسیریں بھی مرتب کی گئیں، یہی صورت ہندوستان میں بھی پیش آئی، ابتدا میں تو لوگوں نے عربی اور فارسی میں زیادہ کتابیں اور تفسیریں لکھیں، بعد میں اس ملک کی زبانوں میں بھی قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر لکھی گئیں۔ یہ ملک کثیر اللسانی ہے اس لیے یہاں کے ہر علاقے میں قرآن مجید کی تفسیریں اور ترجمے کیے گئے اور اب ہندی، گجراتی، دکنی، تلگو، ملیالم، کشمیری، مرہٹی اور بنگالی ہر زبان میں قرآن مجید کی تفسیریں اور ترجمے موجود ہیں۔

اردو چونکہ یہاں کی سب سے مقبول اور ترقی یافتہ زبان رہی ہے اس لیے اس میں تفسیروں کا بڑا معتدبہ ذخیرہ جمع ہوگیا ہے اور اس پر کام تحقیق وتنقید کا بڑا دلچسپ موضوع ہے۔

عربی تفاسیر کے جائزے سے یہ امر واضح ہوا ہوگا کہ تفسیروں کی وسعت سے مختلف النوع قسم کی تفسیریں لکھی جانے لگی تھیں، وہی انداز اردو تفسیروں میں بھی آ گیا ہے اور یہاں بھی مختلف فرقوں نے اپنے اپنے رنگ کی کتابیں لکھی ہیں اور ان میں اپنے اپنے نظریات ثابت کیے ہیں، اس لیے ہندوستانی تفسیروں کی یہ چار قسمیں ہیں۔

۱۔ اہل روایت کی تفسیریں: قدیم تفسیروں میں اس کی مثال ابن جریر کی تفسیر تھی، اردو میں بھی اس طرز کی تفسیریں لکھی گئیں، جن میں زمانے کے حالات ورجحان کا اثر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گو کسی حد تک ہے مگر روایتوں سے ان میں انحراف نہیں ملے گا، مولانا تھانوی اور ان کے مکتب فکر کے علماء کی تفسیروں کا یہی انداز ہے۔

۲۔ متکلمین کی تفسیریں: قدما میں معتزلہ اور امام رازی وغیرہ کی تفسیریں اس کا نمونہ تھیں، اس عہد میں مولانا آزاد، مولانا مودودی وغیرہ کی تفسیروں کو اس ذیل میں شمار کر سکتے ہیں۔

۳۔ مقلدین کی تفسیریں: علامہ ابن جریر، علامہ زمخشری اور امام رازی وغیرہ کی تفسیروں کی ہو بہو تقلید میں عربی کی طرح اردو میں بھی تفسیریں لکھی گئیں ہیں۔

۴۔ متجددین کی تفسیریں: اس زمانے میں سرسید اور چودھری غلام احمد کی تفسیروں کو اسی ذیل میں شمار کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اول الذکر مغربی افکار و نظریات سے متاثر تھے۔

ایک مدت تک یہی سمجھا جاتا رہا کہ اردو میں سب سے پہلے قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر کی سعادت خاندان ولی اللہی کے نصیب میں آئی لیکن جوں جوں تحقیق کا قدم آگے بڑھا تو معلوم ہوا کہ اس سے پہلے بھی متعدد ترجمے اور تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ مولانا حکیم سید عبدالحئی ناظم ندوۃ العلما نے اپنی کتاب 'الثقافة الاسلامیه فی الهند' میں متعدد تفسیروں کے نام لکھے ہیں، [۶] لیکن اکثر کے زمانہ تصنیف کا پتہ نہیں چلتا اور بعض ایک ہی سورہ کی تفسیریں یا منظوم تفسیریں ہیں جن کو ہم نے زیادہ تر نظر انداز کر دیا ہے اور گیارہوں سے تیرہویں صدی کی بعض مکمل تفسیروں کا قدامت کی وجہ سے ذکر کیا ہے، آخر میں چودہویں صدی ہجری کی بعض اہم تفسیروں کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کریں گے۔

تفسیر سورۂ یوسف:

بابائے اردو مولوی عبدالحق کو سب سے پرانی کتاب جو دستیاب ہوئی تھی وہ پرانی گجراتی اردو زبان میں تھی، ناقص الاول والآخر ہونے کی بنا پر مصنف اور سنہ تصنیف کا وہ پتہ نہیں چلا سکے، لیکن زبان کے طرز سے ان کا خیال ہے کہ یہ دسویں ہجری کے اواخر یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیارہویں صدی کے اوائل کی تالیف ہے، یہ سورۂ یوسف کی تفسیر ہے اور نثر میں، مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ اس کی زبان سادہ اور بالکل بول چال کی ہے تاہم اس میں پرانے الفاظ اور پرانی ترکیبیں نسبتاً بہت زیادہ ہیں اس میں جگہ جگہ گجراتی لفظ آئے ہیں اس سے انہوں نے قیاس کیا کہ یہ گجراتی اردو میں ہے۔ ۷

تفسیر تنزیل:

مولوی عبدالحق صاحب نے سید بابا قادری کی اس تفسیر کو ۱۲۴۷ھ کی تصنیف بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی زبان صاف اور بارہویں صدی ہجری کے وسط کی زبان کا بہت اچھا نمونہ ہے، کہیں کہیں دکنی لفظ آنے سے ان کا خیال ہے کہ مصنف دکن کا باشندہ ہے۔

تفسیر کے دو حصے ہیں، پہلے حصہ میں ابتدائی پندرہ پاروں کی اور دوسرے حصے میں آخری پندرہ پاروں کی تفسیر ہے، پہلے حصہ کا مخطوطہ حیدرآباد کے ادارۂ ادبیات اردو کے کتب خانے میں ہے اور دوسرے حصہ کا مخطوطہ انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ تفسیر تنزیل کی پہلی جلد ۱۲×۷ ۱/۴ سائز کے ۳۲۸ اوراق میں ۴۲ سطور فی ورق کے حساب سے لکھی گئی ہے اور دوسری جلد ۸×۱۷ ۱/۲ سائز کے ۱۴۶۰ صفحوں میں تکمیل کو پہنچی ہے، ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں ہیں۔ پہلی جلد کے بارے میں ڈاکٹر زور مرحوم نے لکھا ہے "یہ مخطوطہ صاف خفی خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے، آیات و الفاظ قرآنی سرخ روشنائی میں بخط نسخ لکھے گئے ہیں" ۸۔ یہی کیفیت دوسری جلد کی ہے، تصنیف کے سبب اور سنہ پر ڈاکٹر صاحب کے اس بیان سے روشنی ملتی ہے۔

"مصنف کے دوستوں میں سید لعل شاہ، سید قلندر بخش اور مرزا مغل بیگ نے ان سے کہا کہ پہلے کے علماء نے فارسی اور عربی میں قرآن مجید کی تفسیریں لکھی ہیں، ضرورت ہے کہ ہندی میں بھی ایک تفسیر آپ لکھ دیں۔ اس بنا پر سید بابا قادری نے نواب سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کے عہد میں ذی قعدہ ۱۲۴۰ھ میں اس کام کا آغاز کیا اور اس کا نام "تفسیر تنزیل" رکھا جو غالباً تاریخی نام ہے اور اس سے تکمیل تفسیر کی تاریخ ۱۲۴۷ھ برآمد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتی ہے، گویا سات سال میں انہوں نے پوری قرآن کی تفسیر لکھی"۹

مگر خود مصنف کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ برس میں تفسیر مکمل ہوگئی تھی، مصنف نے شان نزول وغیرہ بیان کرنے پر زیادہ توجہ کی ہے، چنانچہ سبحان الذی اسری بعبدہ الخ کی تفسیر میں معراج کا واقعہ تفصیل سے ۱۷ صفحے میں لکھا ہے، اسی طرح سورۂ نصر کے خاتمہ پر ۲۸ صفحات میں حجۃ الوداع کے واقعات لکھے ہیں۔

ان کے یہاں بعض دلچسپ باتیں بھی ہیں، چونکہ قرآن مجید کا آغاز بسم اللہ سے ہوا ہے اور ختم قرآن سورۂ ناس پر ہوا ہے، اس سے وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی ابتدا "ب" سے اور خاتمہ "س" پر ہوا، اگر دونوں حرفوں کو ملایا جائے تو "بس" بنے گا اب ان کے بیچ میں جو تمام قرآن ہے، وہ بس کرتا ہے۔

اول وآخر قرآن زچہ با آمد وسین   یعنی اندر رہِ دیں رہبر تو قرآں بس

مصنف ایک بڑے صوفی اور واعظ تھے، سنہ وفات معلوم نہیں ہوسکا۔۱۰

اس تفسیر میں معالم التنزیل، زبدۃ التفاسیر، تفسیر ثعلبی، کشاف اور تفسیر بیضاوی وغیرہ کے اقتباسات بھی حسب ضرورت شامل ہیں اور صحابہ کرام کے آثار بھی ہیں۔

تفسیر حسینی:

ملا حسین واعظ کاشفی کی مشہور تفسیر جو فارسی میں تھی اور بہت مقبول تھی، اس تفسیر کے تفسیر تنزیل سے بھی پہلے کئی ترجمے دکنی زبان میں ہوئے تھے، ان میں پارہ عم کی تفسیر کا ترجمہ مولوی عبدالحق صاحب کے پیش نظر تھا۔۱۱

ڈاکٹر سید حمید شطاری کے خیال میں یہ ملا حسین کی تفسیر کا ترجمہ نہیں ہے، انھوں نے اس کی حسب ذیل وجوہ بتائی ہیں۔

۱۔ دکنی تفسیر میں آیتوں کی ترتیب و تقسیم کی نوعیت فارسی تفسیر سے جدا ہے۔ الفاظ، معانی اور ترکیب کے اعتبار سے بھی جگہ جگہ نمایاں فرق ہے۔

۲۔ فارسی تفسیر میں بعض مقامات پر تفسیر تفصیل سے کی گئی ہے جو دکنی تفسیر میں نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ فارسی تفسیر کی بعض عبارتیں دکنی تفسیر میں نہیں ملتیں۔

۴۔ بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں دونوں ترجموں میں بین فرق پایا جاتا ہے، اس کی مثالیں بھی دی ہیں ۱۲؎

تفسیر مرادیہ:

پارۂ عم کی ایک اور تفسیر ''خدا کی نعمت'' ہے جو تفسیر مرادیہ کے نام سے معروف ہے، اس کے مصنف شاہ مراد اللہ سنبھلی خاتمہ کتاب میں لکھتے ہیں ''حمد اور شکر کا سجدہ لائق ہے، سزاوار ہے، پاک پروردگار کے تئیں، جس خداوند نے اپنے فضل و کرم سے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے عم پارے کی تفسیر ہندی زبان میں تمام کروادی اور اس عاصی گنہگار مراد اللہ انصاری سنبھلی قادری نقش بندی حنفی کو یہ خدمت فرما کر توفیق بخشی کہ یہ خیر کا کام پورا کردیا اور پھر اس تفسیر کا نام ''خدا کی نعمت'' مقرر کروایا، یہ تفسیر محرم کے مہینے کی چوبیس تاریخ جمعہ کے دن اگیارہ سو چوراسی برس ہجری تمام ہو کر پچاسی شروع ہوا تھا جو تمام ہوئی'' ۱۳؎ مصنف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سورۃ البقرہ کی شروع کی ۲۰ آیات کی بھی تفسیر لکھی تھی مگر اپنے مرشد مرزا مظہر جان جاناں کے ایما سے یہ سلسلہ ختم کردیا۔

یہ بڑی تقطیع کے ۳۰۲ صفحوں پر ہے اور ربیع الاول ۱۲۶۰ھ میں نستعلیق ٹائپ میں طبع ہوئی، مگر مولوی عبدالحق صاحب کے خیال میں اس سے قبل بھی چھپی تھی اس کی پہلی اشاعت ۱۲۴۷ھ/ ۱۸۳۱ء میں ہوگلی سے ہوئی تھی مگر گورنمنٹ نے اس کو وہابی لٹریچر سمجھ کر ضبط کرلیا تھا ۱۳؎ الف۔ انہوں نے اس کی زبان بہت صاف اور سادہ بتائی ہے اور لکھا ہے کہ متروک الفاظ خال خال ہیں اور بہت معمولی مثلاً یے (یہ) وے (وہ) اوپر (پر) ہووے (ہو) اندھیاری (اندھیرا) ان نے (اس نے) تاہم جملوں کی ساخت پرانی ہے، ۱۴؎

حمید شطاری صاحب نے لکھا ہے کہ ۱۲۵۱ھ، ۱۲۵۸ھ اور ۱۲۸۴ھ میں بھی یہ شائع ہوئی تھی ۱۵؎۔ متعدد ایڈیشنوں سے کتاب کی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔ تفسیر مرادیہ میں ہر سورہ کے ترجمہ و تشریح سے پہلے کہیں مختصر اور کہیں طویل تعارف و تمہید ہے، جس میں مکی و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدنی ہونے اور کلمات وحروف کی تعداد ملتی ہے اور موضوع کا ذکر۔ سورۂ قدر کا تعارف زیادہ مفصل ہے، اسرائیلیات سے عموماً پرہیز کیا ہے، بعض لوگوں نے اسے جدید اردو نثر کا نقطہ آغاز کہا ہے ۱۶۔

تفسیر قرآن:

حکیم محمد شریف خاں دہلوی شاہ عالم ثانی کے عہد میں دہلی کے نامور طبیب تھے، بادشاہ ہی کے ایما سے انہوں نے یہ تفسیر لکھی تھی، اس کے علاوہ بھی ان کی چند تصنیفات تھیں، تفسیر کے لکھنے کا زمانہ معلوم نہیں ہوسکا، شاہ عالم کا زمانہ حکومت ۱۱۷۳ھ/ ۱۷۵۹ء سے ۱۲۲۱ھ/ ۱۸۰۶ء تک ہے اس لیے اس کی قدامت مسلم ہے، مولوی عبد الحق صاحب نے لکھا ہے "اس کی زبان شاہ عبد القادر مرحوم کے ترجمے کے مقابلے میں زیادہ صاف ہے اور لفظی پابندی میں اتنی سختی نہیں کی گئی ہے، نیز شاہ صاحب کی طرح ہندی میں نہیں بلکہ ریختے میں ترجمہ کیا ہے" ۱۷۔ بعض لوگوں نے اسے تفسیر کے بجائے ترجمہ کہا ہے۔

تفسیر رؤفی:

مصنف کا نام مولانا شاہ رؤف احمد مجددی رام پوری ہے، قدیم طرز کے مطابق تفسیر کے ساتھ ترجمہ مخلوط ہے، زبان پرانی ہے۔ ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۳ء سے لے کر ۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء کے درمیان تفسیر لکھی گئی، زبان پرانی ہے، اس کے کئی اڈیشن نکلے چوتھا اڈیشن ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء بس چھپا ۱۸۔ یہ تفسیر دو جلدوں میں تھی۔ تفسیر کے دوران مولف نے حسب موقع اپنے اشعار بھی لکھے ہیں، تفسیر شرح وبسط کے ساتھ کی ہے۔ ۱۹

جامع التفاسیر:

نواب قطب الدین خاں حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کے شاگرد اور "مظاہر حق" ترجمہ مشکوٰۃ کے مولف ہیں، انہوں نے ۱۲۷۶ھ/ ۱۸۵۹ء میں سورۂ احزاب سے سورۂ طارق تک کی تفسیر وترجمہ کیا تھا، دیباچہ نگار کا بیان ہے کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''سورۂ احزاب سے اس تفسیر کے شروع ہونے کا سبب یہ ہے کہ جب ''مظاہر حق'' ترجمہ مشکوٰۃ جناب مولف نے تمام کیا تو درس کلام مجید سورۂ احزاب تک پہنچا تھا، ان کو خیال ہوا کہ یہیں سے یہ تفسیر موافق درس کے تالیف ہوتی جاوے''

اس کے بعد نواب صاحب کی وفات ہوگئی اس لیے بعد کی سورتوں کی تفسیر و ترجمہ ان کے تلمیذ رشید مولوی عبد القادر نے کیا۔ یہ تفسیر ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں مطبع نظامی کانپور میں چھپی ہے۔۲۰

تفسیر وہابی:

مصنف کا نام عبد الصمد بن نواب شکوہ الملک نصیر الدولہ عبد الوہاب خاں نصرت جنگ ہے، تفسیر کی زبان دکھنی اردو ہے، چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، تفسیر کے خاتمے کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ گیارہویں صدی ہجری کے اواخر (۱۰۸۷ھ/ ۱۶۷۶ء) کی تصنیف ہے مگر مولوی عبد الحق صاحب لکھتے ہیں:

''تزک والا جاہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نواب شکوہ الملک، امیر الہند والا جاہ محمد علی خاں والی ارکاٹ کے برادر حقیقی تھے جن کی ولادت ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں ہوں، اس لحاظ سے یہ سن صریحاً غلط ہے، غالباً ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء ہوگا، زبان بھی پرانی نہیں معلوم ہوتی بلکہ صاف ہے اور تقریباً ویسی ہی زبان ہے جیسی آج کل جنوبی ہند میں مروج ہے''۲۱۔

تفسیر کے صفحات ۲۶۳۲ ہیں اور ہر صفحے میں ۱۳ سطریں، خط نستعلیق و نسخ ہے۔

تفسیر قرآنی موسومہ حقانی:

مصنف سید شاہ حقانی نبیرۂ سید برکت اللہ ہیں، آغاز کی عبارت سے تصنیف کا سبب معلوم ہوتا ہے ملاحظہ ہو،

''احوال اس کے لکھنے کا یہ ہے جو غور کر کے دیکھا تفسیر زبان عربی، فارسی میں۔ عالموں، فاضلوں بزرگوں نے اس بارہ سے چھ برس (۱۲۰۶) کے عرصے میں تصنیف کری ہیں اور اپنے فہم و عقل کے زور سے معنیوں کو آیت آیت حرف حرف کے ساتھ فصاحت اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلاغت کے لکھے ہیں اور زیر وزبر کو قاعدہ صرف ونحو کے سے ثابت کیا ہے اور شان نزول اور احوال پیغمبروں کے موافق حدیث اور روایت صحابہؓ کے داخل کرے ہیں جوان تفسیروں کو نظر کیا دریا علم کا اور ہدایت کا ہے کہ موج مارتا ہے جاری ہے اور ہر ایک کو اس کے مدعا کو پہنچنا بے استاد جیسا کچھ چاہیے مشکل ہے، پھر آخر کار کتب خانہ استادی مرشدی حضرت بھائی صاحب وقبلہ حضرت سید شاہ حمزہ صاحب قدس سرہ العزیز سے تفاسیر جدا کر کے حرف حرف کے معنیوں کو اور شاہ نزول ہر ایک کلمے اور آیت اور سورہ کا دریافت کر کے اور سب احوال پیغمبروں کا سمجھ کر موافق وقوف اور عقل اپنی کے ہر ایک کلمے اور آیت اور سورت کے ساتھ مختصر کر کے لکھا، داخل کیا تا کہ ان پڑھوں کو جلد سمجھنے میں آوے، عبارت طویل کو موقوف کیا کس واسطے کہ دل عالم کے تنگ ہو گئے ہیں، زیادہ عبارت کے پڑھنے سے الجھتے ہیں، تنگ آتے ہیں بلکہ پڑھے ان پڑھوں سے زیادہ جی چھپاتے ہیں''

گویا ۱۲۰۶ھ سنہ تصنیف ہے اور ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ ۲۳

ہندوستان کی اردو تفاسیر کی تاریخ میں سب سے زریں عہد چودہویں صدی ہجری کا ہے، اس عہد میں کئی ممتاز اور بلند پایہ تفسیریں لکھی گئیں، لیکن ان کے تذکرے سے پہلے ہم تیرہویں صدی ہجری کی ایک مہتم بالشان اردو تفسیر کا ذکر کرتے ہیں، یہ خاندان ولی اللہی کے ایک ممتاز مترجم ومفسر حضرت شاہ عبدالقادرؒ کی تفسیر ''موضح قرآن'' ہے۔

صاحب موضح قرآن شاہ عبدالقادر دہلویؒ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فرزند ثالث تھے، ان کا بڑا کارنامہ ترجمہ قرآن اور اس کا حاشیہ موضح قرآن ہے۔ جسے عام طور پر لوگ موضح القرآن کہتے ہیں لیکن اصل نام موضح قرآن ہے جو تاریخی ہے، اس کے اعداد ۱۲۰۵ھ ہیں اور اسی سال انہوں نے ترجمہ کا کام مکمل کیا تھا شاہ صاحب کا ترجمہ اردو کا پہلا باقاعدہ اور مکمل ترجمہ سمجھا جاتا ہے، اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ یہ بار بار چھپتا رہا ہے، اس کے دیباچے میں حمد ومنقبت کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''اس (اللہ) کے کلام میں جو ہدایت ہے، دوسرے میں نہیں، پر کلام پاک اس کا عربی زبان ہے اور ہندوستانی کو اس کا ادراک محال، اس واسطے بندہ عاجز عبدالقادر کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خیال آیا کہ جس طرح ہمارے والد بزرگوار حضرت شیخ ولی اللہ بن عبد الرحیم محدث دہلوی ترجمہ فارسی کر گئے ہیں، سہل و آسان اب ہندی زبان میں قرآن شریف کو ترجمہ کرے، الحمد للہ کہ ۱۲۰۵ بارہ سو پانچ میں میسر ہوا...... اول یہ کہ اس جگہ ترجمہ لفظ بہ لفظ ضرور نہیں کیونکہ ترکیب ہندی ترکیب عربی سے بہت بعید ہے، اگر بعینہ وہ ترکیب رہی تو معنی مفہوم نہ ہوں، دوسری یہ کہ اس میں زبان ریختہ نہیں بولی بلکہ ہندی متعارف تا کہ عوام کو بے تکلف دریافت ہو، تیسرے یہ کہ ہر چیز ہندوستانیوں کو معنی قرآن اس میں آسان ہوئے۔ لیکن ابھی استاد سے سند کرنا لازم ہے، اول معنی قرآن بے سند معتبر نہیں، دوسرے ربط کلام ماقبل و مابعد سے پہچاننا اور قطع کلام سے بچنا بغیر استاد نہیں آتا، چنانچہ قرآن عربی زبان ہے اور عرب بے محتاج استاد نہیں، چوتھی یہ کہ اول نقطہ ترجمہ قرآن ہوا تھا بعد اس کے لوگوں نے خواہش کی تو بعضے فوائد زاید بھی متعلق تفسیر داخل کیے اس فائدہ کے امتیاز کو حرف (ف) نشان رکھا، اگر کوئی مختصر چاہے صرف ترجمہ لکھے، اگر مفصل چاہے فوائد بھی داخل کرے، باقی قواعد خط ہندی کہنے میں طول ہے، استاد سے معلوم ہوں گے، البتہ ہندی میں بعضے چیز لکھی ہیں کہ فارسی میں نہیں، اس سبب سے فارسی خواں اور اٹکتا ہے، دو جز دیکھے تو ماہر ہو جائے اور اس کتاب کا نام ''موضح قرآن'' ہے اور یہی اس کی صفت ہے اور یہی اس کی تاریخ ہے''۲۳۔

سورۂ فاتحہ کی تفسیر مبسوط لکھی ہے، شاہ صاحب کے ترجمے کے بارے میں بعض لوگوں کا گمان ہے کہ شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمے سے ہندی متعارف میں کیا ہے، شاہ عبد القادر صاحب کا ترجمہ تو مسلمہ طور پر سب سے بہتر اور مستند مانا جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اسے الہامی کہا ہے، اسی لیے وہ بہت مقبول ہوا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن نے شاہ صاحب کے زبان کی قدامت کی بنا پر اس کی تیسیر و تسہیل اور توسیع و تجدید کی ہے۔ ترجمہ کی طرح ان کی تفسیر بھی مستند و معتبر اور نہایت مقبول ہے، یہاں اس کی بعض خصوصیات پیش کی جاتی ہیں۔۲۴

۱۔ جس طرح شاہ صاحب نے اپنے اردو ترجمہ میں اختصار کے باوجو کلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خداوندی کی لفظی فصاحت و بلاغت اور معنوی نکات و لطائف کا اظہار کیا ہے، اسی طرح شاہ صاحب کے تفسیری فوائد بھی نہایت عجیب و غریب حکیمانہ نکتوں پر مشتمل ہیں۔

۲۔ فقہی مسائل میں حنفی مسلک کی پابندی فرماتے ہیں لیکن عقائد و کلام کے مسائل میں شاہ صاحب کے یہاں جو اجتہادی شان نظر آتی ہے، وہ تفسیر کی بڑی بڑی کتابوں میں نظر نہیں آتی۔

۳۔ شاہ صاحب مشکل، دقیق اور تشریح طلب باتوں کو سیدھے سادے چند موثر جملوں میں قاری کے دل دماغ میں اتار دیتے ہیں۔

۴۔ ان کے ہاں نہایت بلیغ انداز میں ہر اہم مسئلہ کی تشریح ملتی ہے جو بڑی بڑی تفسیروں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

۵۔ کلام الٰہی کی بلاغت قائم رکھنے کے لیے ایجاز و اختصار سے کام لیتے ہیں مگر اس کے باوجود کلام الٰہی کی مراد صاف صاف واضح کر دیتے ہیں۔

۶۔ شاہ صاحب اردو محاورے برمحل اور بڑی خوبی سے استعمال کرنے میں بڑی مہارت و قدرت رکھتے ہیں۔

۷۔ بعض مقامات پر جمہور سے الگ راہ اختیار کی مثلاً ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم (یونس/ ۸۸) پر شاہ صاحب کا یہ بہترین فائدہ تحریر ہے:

”سچے ایمان کی ان سے امید نہ تھی مگر جب کچھ آفت پڑتی تو جھوٹی زبان سے کہتے ہیں کہ اب ہم مانیں گے، اس میں عذاب تھم جاتا، کام فیصل نہ ہوتا، اس واسطے مانگا کہ یہ جھوٹا ایمان نہ لاویں، دل ان کے سخت رہیں، تا عذاب پڑ چکے اور کام فیصل ہو“ اور یہ مفہوم ترجمے میں بھی ادا ہو گیا ہے ”اے رب! مٹا دے ان کے مال اور سخت کر ان کے دل کہ نہ ایمان لاویں جب تک دیکھیں دکھ کی مار“۔

۸۔ فعل ماضی، مضارع اور امر کے ترجمے میں انوکھا اسلوب اختیار کرتے ہیں۔

۹۔ عام فہم ہندی میں ترجمہ کی پابندی کے باوجود عربی لغت کی رعایت، جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحت اللفظ ترجمہ کرنے والوں کے یہاں بھی نہیں ملتی۔

۱۰۔ مجازی معنی کا اظہار بڑی خوبی سے کرتے ہیں۔

۱۱۔ شاہ صاحب تنوع پیدا کرنے کے امام ہیں، ایک ہی لفظ کے معنی موقع و محل کے لحاظ سے ہر جگہ الگ کیا ہے۔

۱۲۔ ظاہری تضاد دور کرنے کا اہتمام۔

۱۳۔ جامعیت پیدا کرنے کا اہتمام۔

۱۴۔ بعض مواقع پر بڑی نادر تفسیریں کی ہیں۔

۱۵۔ بازاری الفاظ سے اجتناب کرتے ہیں۔

۱۶۔ کمزور تاویلات سے اجتناب۔

بیان القرآن:

مولانا اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۳ء) اس دور کے نامور شیخ طریقت، مشہور عالم اور صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ سلوک وتصوف اور فقہ وحدیث کے موضوع پر سینکڑوں کتب ورسائل تالیف کرنے کے علاوہ مولانا نے ایک مفید تفسیر بھی بیان القرآن کے نام سے لکھی ہے، جس کے ساتھ ترجمہ قرآن بھی شامل ہے، یہ کام ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء میں شروع کیا اور ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۸ء میں پایہ تکمیل کو پہنچایا، ۱۳۲۶ھ میں پوری تفسیر بارہ جلدوں میں مطبع مجتبائی دہلی سے چھپی تھی اور پھر متعدد اڈیشن شائع ہوئے۔

مولانا کی تفسیر جامع ہے جو علمائے سلف کے تفسیری اقوال اور متقدمین کی تفاسیر کی روشنی میں لکھی گئی ہے، مسلمانوں کے عقائد ورسوم کی اصلاح پر بھی مولانا نے اس میں زور دیا ہے، آیات کی باہمی مناسبت اور ربطِ سور کا ذکر بھی اختصار سے کیا ہے، قواعد صرف ونحو بھی تحریر کیے ہیں اور جابجا سلوک وتصوف کے مسائل بھی بیان کیے ہیں، ترجمہ تحت اللفظ ہونے کے باوجود سلیس اور عام فہم کیا ہے، تفسیر میں بھی تفہیم کا انداز اچھا اور موثر ہے، عبارت ماقل ودل کا نمونہ، جامع، مربوط، رواں اور حشو وزوائد سے پاک ہے، مولانا اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اول قرآن مجید کا آسان ترجمہ کیا ہے جس میں قابل فہم ہونے کے ساتھ تحت لفظی کی بھی رعایت ہے، دوم ترجمے میں خالص محاورات استعمال نہیں کیے گئے، دو وجہ سے اول تو میں قصباتی ہوں، محاورات پر عبور نہیں، دوسرے یہ کہ محاورے ہر مقام کے جداجدا ہوتے ہیں، اگر دہلی کے محاورات لیے جاتے اہل لکھنؤ نہ سمجھتے، یہاں کے محاورات وہاں نہ سمجھتے، ان دونوں کے محاورے حیدرآباد اور مدراس والے نہ سمجھتے، غرض ایسے محاورات عام فہم نہیں ہوتے اور اردو ترجمہ کم از کم ایسا ہو کہ قریب قریب ہندوستان کے سب حصے تو اس کو سمجھ جاویں اس لیے کتابی زبان لی ہے کہ فصاحت کے ساتھ اس میں بلاغت بھی ہے، سوم نفس ترجمہ کے علاوہ جس مضمون کو بہت ضروری دیکھا کہ اس پر توضیح ترجمہ کی موقوف ہے یا کوئی شبہ خود قرآن کے مضمون سے ظاہراً پیدا ہوتا تھا اس کا جواب یا مضمون قرآن کی مشہور تحقیقات کے خلاف معلوم ہوتا تھا، اس کی تحقیق یا اسی قسم کی کوئی ضروری بات ہوئی اس کو ''ف'' بنا کر بڑھا دیا باقی لطائف ونکات یا طویل عریض حکایات یا فضائل یا بہت سے مسائل وغیرہا سے تفسیر کو طویل نہیں کیا گیا، غرض یہ کہ مضامین کا جمع کرنا مقصود نہیں بلکہ محض حلِ قرآن ورفع ضرورت لیکن باوجوداتنی رعایت کے بھی غیر علماء وطلبہ کے لیے بہت سے مقامات میں علماء سے استغنا نہیں ہوسکتا لہذا مناسب بلکہ واجب یہ ہے کہ ایسے حضرات اپنے مطالعہ وفہم پر اعتماد نہ فرماویں بلکہ حسب ضرورت علما یا مفتی طلبہ سے اس کو سبقاً سبقاً سمجھ کر پڑھ لیں ورنہ اقل درجہ اتنا تو ضرور ہے کہ مطالعہ کے وقت جہاں ذرہ برابر بھی اشتباہ رہے وہاں خود غور کرکے نہ نکالیں بلکہ پنسل سے نشان کرکے علماء سے وہ عبارت دکھلا کر حل کرلیں اور بدون اس کے احتمال بلکہ یقین غلط فہمی کا ہے، چہارم جس آیت کی تفسیر میں بہت سے اقوال مفسرین کے ہیں ان میں سے جس کو ترجیح معلوم ہوئی، صرف اس کو لے لیا، بقیہ سے تعرض نہیں کیا، پنجم مطلب قرآنی کی تقریر کہیں تو اس طرح کی ہے کہ مضمون کا ارتباط خود ظاہر ہو جاوے اور کہیں ایک سرخی ربط کی لکھ کر اس کی تقریر کردی گئی ہے: ششم اختلافیات کی تفسیر میں صرف مذہب حنفی لیا گیا ہے اور دوسرے مذاہب بشرط ضرورت حاشیہ میں لکھ دیے گئے ہیں، ہفتم چونکہ نفع عوام کے ساتھ افادۂ خواص کا بھی خیال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آ گیا اس لیے ان کے فائدے کے واسطے ایک حاشیہ بڑھا دیا ہے جس میں مکیت و مدنیت سور و آیات وغیر مشہور لغات وضروری وجوہ بلاغت و مغلق ترکیب وخفی الاستنباط فقہیات وکلامیات واسباب نزول وروایات واختلاف قرأت مغیرہ ترکیب یا حکم وتوجیہ ترجمہ وتفسیر ایجاز کے ساتھ مذکور ہیں جس کو متوسط درجہ کا طالب علم بے تکلف سمجھ سکتا ہے۔ ۲۵

اس طویل اقتباس سے مولانا کی تفسیر کی اہم خصوصیات پوری طرح سامنے آ گئی ہیں، اس سے ان کے کمال حزم واحتیاط کا بھی پتہ چلتا ہے، مولانا نے ہر جگہ تفسیر میں نقل پر اعتماد کیا ہے اور عقلی تفسیر کرنے یا مجازی معنی مراد لینے سے مکمل احتراز کیا ہے، قرآن مجید میں یہودیوں کے سور اور بندر بنانے وغیرہ کا جو ذکر ہے روایتی مفسرین کے خیال میں وہ واقعی سور و بندر بنا دیے گئے تھے، لیکن عقلی تفسیر کرنے والے اس کو مجاز پر محمول کرتے ہیں، مولانا عبد الماجد دریابادی کے استفسار پر مولانا تھانوی نے اس سے انقباض اور سخت بیزاری ظاہر کرتے ہوئے اس کی مکمل تردید کی ہے۔ ۲۶

مولانا تھانوی تو خود اپنی تفسیر کے بارے میں فرماتے تھے کہ اس میں سب مضامین الہامی ہیں، سرخیل علمائے دیوبند تو اس کے مداح ہیں ہی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الماجد دریابادی اور مولانا عبد الباری ندوی نے بھی اس کی بڑی تحسین کی ہے، تفسیر ماجدی کا تو یہ اہم ماخذ بھی ہے، علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

''مولانا نے اپنی تفسیر میں روایات صحیحہ اور اقوالِ سلف صالحین کا التزام کیا ہے، فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی گئی ہے، شبہات اور شکوک کو حل کیا گیا ہے، صوفیانہ اور ذوقی معارف بھی درج کیے گئے ہیں، تمام کتب تفاسیر کو سامنے رکھ کر ان میں سے کسی قول کو دلائل سے ترجیح دی گئی ہے، یہ تفسیر تیرہویں صدی کے وسط میں لکھی گئی ہے، اس لیے تمام قدما کی تصانیف کا خلاصہ ہے اور مختلف و منتشر تحقیقات اس میں یکجا مل جاتی ہیں''۔ ۲۷

ترجمان القرآن:

مولانا ابو الکلام آزاد کا سب سے اہم علمی و دینی کارنامہ ترجمان القرآن کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصنیف ہے، ان کے سامنے قرآن کے درس و مطالعہ کی تین مختلف ضرورتیں تھیں جن کو وہ تین کتابوں میں لکھنا چاہتے تھے، مقدمہ تفسیر، تفسیر البیان اور ترجمان القرآن، مقدمہ تفسیر میں قرآن کے مقاصد و مطالب پر اصولی مباحث قلم بند کرنا چاہتے تھے تاکہ مطالب قرآنی کے جوامع وکلیات مدون کر دیں، تفسیر البیان کو نظر و مطالعہ کے لیے مرتب کرنا چاہتے تھے اور ترجمان القرآن سے قرآن مجید کی عالمگیر تعلیم و اشاعت مقصود تھی۔

آخری کتاب اپنے مقصد و نوعیت میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری تھی اور فی الحقیقت وہ تفسیر و مقدمہ کے لیے بھی اصل بنیاد تھی اس لیے اس کو پہلے شائع کرنا چاہا تھا۔

ترجمان القرآن کی ترتیب و تالیف کا مقصد مولانا نے یہ بتایا ہے کہ مطالب قرآنی کے فہم و تدبر کے لیے ایک ایسی کتاب تیار ہو جائے جس میں کتب تفسیر کی سی تفصیلات تو نہ ہوں لیکن وہ سب کچھ ہو جو قرآن کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے کے لیے ضروری ہے اس غرض سے قرآن مجید کا ترجمہ اردو میں اس طرح مرتب کیا ہے کہ اپنی وضاحت کے لیے دوسرے چیز کا محتاج نہ رہے بلکہ اپنی تشریح آپ ہو، پھر جا بجا نوٹوں کا اضافہ کیا ہے جو قدم قدم پر مطالب کی تفسیر اور اجمال کو تفصیل کا رنگ دیتے ہیں مقاصد و وجوہ سے پردہ اٹھاتے ہیں، دلائل و شواہد کو روشنی میں لاتے ہیں، احکام و نواہی کو مرتب و منضبط کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ مختصر لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معنی و معارف کا سرمایہ فراہم کرتے جاتے ہیں۔

نوٹ محدود تعداد اور مقدار میں ہونے کے باوجود مولانا نے کوشش کی ہے کہ کوئی اہم مقام تشنہ نہ رہ جائے اور مقاصد و مطالب قرآن کی تمام مہمات واضح ہو جائیں، لفظ کم سے کم ہوں لیکن اشارات زیادہ سے زیادہ سمیٹ لیے جائیں اور مطالب کے پھیلاؤ سے احتراز کریں، لیکن سورۂ فاتحہ کی تفسیر تفصیل سے لکھی یہ ان کی تفسیر البیان کا ملخص ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورہ قرآن مجید کی اولین سورہ اور اس کا دیباچہ و مقدمہ ہے، اس میں اور قرآن مجید کے دوسرے حصوں میں اجمال و تفصیل کا سا تعلق ہے، تمام سورتوں میں دین حق کے جو مقاصد بہ تفصیل بیان کیے گئے ہیں سورۂ فاتحہ میں ان ہی کا بہ شکل اجمال بیان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، گویا یہ قرآن مجید کا خلاصہ اور نچوڑ ہے، اس لیے مصنف نے ضروری خیال کیا کہ قرآن مجید کے مقدمہ و دیباچہ کو اچھی طرح قارئین کے ذہن نشین کرا دیں تا کہ اگر وہ پورا قرآن مجید نہ بھی پڑھ سکیں تو اس کے دیباچہ کو پڑھ کر اس کی اصلی روح اور بنیادی تعلیم سے بہ خوبی واقف ہو جائیں۔

ترجمہ و تفسیر ترجمان القرآن پہلی دفعہ دو حصوں میں شائع ہوا تھا، پہلا حصہ ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا تھا، دوسرا حصہ مدینہ پریس بجنور سے ۱۹۳۶ء میں چھپا تھا، پہلے حصہ میں فاتحہ تا انعام اور دوسرے میں اعراف سے سورۃ المومنون تک کی تفسیریں شامل ہیں، پہلے حصہ کی اشاعت کے وقت مولانا نے تفسیر لکھنے کا وہی انداز اختیار کیا تھا جس کو اوپر بیان کیا گیا مگر دوسرے حصے میں اس کی نوعیت بدل گئی ہے۔ اس کی وجہ خود انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ پہلی جلد کی اشاعت کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ ارباب نظر کا جوشِ طلب مقدمہ اور البیان کے وعدہ پر صبر نہیں کرسکتا اور مطالب کی وسعت اور دائرہ بیان کی تنگ نائی ان کے اضطراب بیان کے لیے بھی سخت شکیب آزما تھی، صورت حال کے اس تقاضے سے وہ اغماض نہ کر سکے، اور کتاب کے وضع و اسلوب میں ایک نمایاں تبدیلی کر دینی پڑی اور اب اس کی نوعیت محض ترجمہ اور نوٹوں ہی کی نہیں رہی جیسی کہ پہلی جلد کی رہ چکی ہے، بلکہ تفسیری مباحث و تفصیلات کا بھی معتد بہ حصہ شامل ہو گیا گو اس کی تفصیلات البیان کی تفصیلات تک نہیں پہنچتیں تاہم جہاں تک مہمات مطالب کا تعلق ہے تقریباً تمام مقامات بحث میں آ گئے ہیں اور ارباب نظر کے لیے کفایت کرتے ہیں۔ ۲۸

مولانا نے کوشش کی ہے کہ سورت کا کوئی حل طلب مقام بغیر اشارہ و تشریح کے نہ رہ جائے اور نوٹوں کی ترتیب میں نہ مقدار کے لحاظ سے کمی رہے، نہ تعداد کے لحاظ سے۔ چنانچہ پہلی جلد کے مقابلہ میں نوٹوں کی مقدار کم از کم ڈیوڑھی ہو گئی ہے اور تعداد اکثر حالتوں میں دوگنی سے کم نہیں۔

پھر جب سورت ختم ہو گئی تو اس کے تمام اہم مقامات پر از سر نو نظر ڈالی گئی اور جن جن مقامات کے لیے تفصیلی بحث ضروری محسوس ہوئی، ان پر مستقل مباحث و مقالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھ کر آخر میں بڑھائے گئے، ان مباحث نے بعض سورتوں میں اس قدر طول کھینچا کہ بہت دور تک پھیلتے گئے کہ بعض دو دو تین تین صفحوں تک مسلسل چلے گئے ہیں جب کہ متن کے مقابلے میں ان کا خط بہت خفی ہے۔

مولانا نے اپنے ترجمہ وتفسیر کو اہم قرار دیتے ہوئے ان کو بہ غور پڑھنے کی تلقین کی ہے تا کہ اس کی خصوصیات اور خوبیوں پر نظر رہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ترجمان القرآن اپنے مطالب و ترجمے کے علاوہ زبان و بیان اور اسلوب ووضع کے لحاظ سے ایک ممتاز تفسیر ہے خصوصاً دوسری جلد کے بعض مشرح نوٹ نہایت کارآمد ہیں خصوصاً سورۂ توبہ، سورۂ یونس، سورہ ہود اور سورۂ یوسف اور سورۂ کہف کے تفسیری مباحث بہت قیمتی اور مفید ہیں، سورۂ کہف میں ذوالقرنین کی تحقیق میں مولانا نے جو کچھ لکھا ہے وہ ابھی تک حرف آخر ہے۔

اسی طرح پہلی جلد میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر گونا گوں مطالب ومعارف کو محیط ہے، خصوصاً ربوبیت اور رحمت کی تشریح میں جو حقائق ودقائق بیان کیے ہیں، اس کی مثال اردو تو کیا عربی تفسیروں میں بھی نہیں ملے گی۔ صفات الٰہی کے مسئلے میں بھی مولانا کے گہر بار قلم نے خاص گل افشانی کی ہے۔

مولانا کے ترجمے میں قوسین کی کثرت ہے جو اگرچہ وضاحت کے لیے ہے مگر یہ ذہنی خلجان کا باعث ہوتا ہے۔

سورۂ مریم کی آیت وان منکم الا واردھا الخ کا ترجمہ مولانا نے یہ کیا ہے کہ ''تم میں کوئی نہیں جو اس منزل سے گزرنے والا نہ ہو'' ''اس منزل'' سے مولانا کی کیا مراد ہے، واضح نہیں ہوسکا۔ ذکر تو جہنم کا ہے پھر وارد کے معنی داخل ہونے والا ہے، گزرنے والا نہیں۔ نوٹ میں لکھتے ہیں ''خطاب عام نوع انسانی سے نہیں ہے بلکہ ان منکرین حق سے ہے جن کا ذکر پہلے سے چلا آتا ہے''۲۹ ایسی صورت میں گزرنے کا ترجمہ اور بے معنی ہوجاتا ہے، ترجمان القرآن کے بعض مقامات میں جو عقلی توجیہات کی گئیں ہیں، ان کو بعض مذہبی حلقوں نے سرسید سے تاثر کا نتیجہ کہا ہے۔ سورۂ فاتحہ میں سورہ بقرہ کی آیات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصاری الخ کی جس انداز سے تشریح کی ہے، اس سے بظاہر خیال ہوتا ہے کہ مولانا ایمان بالرسالت کو ضروری نہیں سمجھتے مگر مولانا نے پھلواری کے ایک صاحب کے استفسار پر جو جوابی خط لکھا ہے اس میں اس کی تردید کی ہے، اسی طرح ان کے سیاسی مخالفین نے انہیں گاندھی جی کے زیر اثر وحدت ادیان کا قائل کہا ہے مگر اس میں مولانا سے تعبیر کی غلطی ضروری ہوئی ہے، غالباً ان کا منشا ''وحدت دین'' سے ہوگا جس کا اعلان قرآن میں کئی جگہ ہے۔

مقدمہ وتفسیر البیان تو درکنار مولانا کو سیاست کے جھمیلوں نے ترجمان القرآن کی تکمیل کا بھی موقع نہیں دیا۔ اس کے پرانے اڈیشن دو جلدوں میں ابتدا سے سورۂ مومنون تک کی تفسیروں پر مشتمل تھے البتہ جدید اڈیشن میں جس کو ساہتیہ اکیڈمی نے چار جلدوں میں شائع کیا ہے مومنون کے بعد کی ایک سورہ نور کی تفسیر بھی شامل ہے اور پچھلی سورتوں کے نوٹس میں بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

تفسیر ماجدی:

مولانا عبد الماجد دریابادی مرحوم (۱۸۹۲-۱۹۷۷ء) نے قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر کا کام انگریزی زبان میں شروع کیا تھا جو اپنی نوعیت کا عمدہ، جامع اور منفرد کام تھا، اسی اثنا میں ان کو اردو ترجمہ وتفسیر کی ضرورت بھی محسوس ہوئی، جس کا اظہار انہوں نے تفسیر کے افتتاحیے میں اشارتاً کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی معنویت گو آفاق گیر ہے مگر دوسری طرف قومی ووطنی اور علاقائی حیثیت بھی برابر چلی آرہی ہے اس لیے قرآن مجید نے انتہائی حکیمانہ طریقہ یہ اختیار کیا کہ ان ساری فرعی، ضمنی، ثانوی بحثوں سے متعلق اس نے صراحت تو ایک بار بھی مذاقِ عرب کے خلاف نہیں کی اور اہل عرب کے علمی، عقلی، فکری مزعومات کو ان کے حال ہی پر چھوڑے رکھا لیکن اشارے ایسے برابر رکھ دیے اور کلام میں لچک اتنی پیدا کردی کہ آئندہ نسلیں اپنے اپنے دور کے ماحول فکری کے مطابق اس کتاب الٰہی کی تعبیر وتشریح میں آزاد رہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن مجید نے غیر قوموں کا ذکر کبھی ان کے حال سے سبق لینے اور کبھی اپنے مخاطبین پر حجت قائم کرنے کے لیے بکثرت کیا ہے، ان کے عقائد و اعمال کو جا بجا صراحت سے اور ان کی تلمیحات کو کثرت سے لایا ہے، اشخاص میں انبیا کے علاوہ قارون، فرعون، ہامان، عمران، سامری، ابولہب، مریم، ام موسیٰ، امرأۃ لوط، امرأۃ فرعون نیز بتوں کے نام بھی لیے ہیں اس لیے لازمی ہے کہ جدید مفسر و شارحِ قرآن تاریخ اقوام پر بھی نظر رکھتا ہو اور جغرافیہ عالم پر بھی، اور یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور عرب اور نواح عرب کے شرکیہ مذاہب سے بھی فی الجملہ واقفیت رکھتا ہو اور جدید سائنس کے بھی مختلف شعبوں (خصوصاً فلکیات) سے بھی مطلقاً بے بہرہ نہ ہو ورنہ باوجود تدین و تقوی، صالحیت و مقبولیت کے سخت علمی غلطیوں کا شکار ہو جائے گا اور اس کا قلم کہیں فرعون اور لشکر فرعون کی غرقابی کو بجائے بحر قلزم کے دریائے نیل میں دکھائے گا، کہیں حضرت مسیح کا تلوار سے قریب القتل ہو جانا بیان کرے گا اور کہیں فرعون کو کسی تاج دار کا شخصی نام سمجھ کر دعوی الوہیت اس کی شخصیت کی جانب منسوب کرنے لگے گا۔ مفسر کا محض متقی و صالح ہونا ہرگز اس کی ضمانت نہیں کہ اس کی تاریخی، جغرافیائی اور عام سائنسی معلومات بھی صحیح ہیں، قرآن مجید یقیناً ایک دینی صحیفہ ہے لیکن اس کا علمی پایہ بھی ہرگز ایسا نہیں کہ کسی کو اس پر کسی اعتبار سے بھی حرف گیری کا موقع مل سکے۔

ساتھ ہی یہ ملحوظ رکھنے کی بھی ضرورت بتاتے ہیں کہ قرآن مجید معنوی اعتبار سے بھی ایک انتہائی مرتب و منظم کتاب ہے اور انشائی اعتبار سے بلیغ اور اسی نسبت سے قدرتاً ایک دشوار ترین کتاب بھی۔ اس کے دقائق و اسرار تو الگ رہے، اس کی ظاہری، لفظی ترکیبیں تک بھی ہر جگہ آسان نہیں، اس کی تفسیر کو کوئی ایک بندہ تو کیا سارے ہی بندے مل کر بھی چاہیں کہ درجہ تکمیل کو پہنچا دیں تو یہ حد بشری سے خارج ہے اور نہ انسان اس کا مکلف ہے جس کو جتنی یافت قرآن کے اندر میسر آ جائے، بس وہی اس بندے کے مرتبہ و شرف کے لیے بہت ہے۔ قرآن نے اپنے کو آسان جو فرمایا ہے وہ موعظت اور عبرت پذیری کے پہلو سے، قابل عمل ہونے کے لحاظ سے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا نے ترجمہ قرآن میں اپنے لیے دلیلِ راہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے ترجمہ کو بنایا جو ان کی تفسیر بیان القرآن کے ساتھ ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں اول بار شائع ہوا ہے۔ عربی اردو لغت، تفسیر، نحو واعراب اور علوم قرآنی کے جن تصنیفات کو ماخذ بنایا ہے ان کا ذکر اپنے افتتاحیہ میں کیا ہے، اس کی فہرست طویل ہے۔[۳۰] تاہم اس میں وہ مولانا تھانوی کی تفسیر اور روح المعانی کو خاص طور پر پیش نظر رکھتے ہیں، اس کا بڑا امتیاز یہ ہے کہ بائبل اور کتاب مقدس کے جس قدر حوالے اس میں ملتے ہیں وہ کسی اور تفسیر میں نہیں، یہ تفسیر جدید تعلیم یافتہ طبقے کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے، اس لیے اس میں اس کے شکوک وشبہات کو خاص طور پر زائل کیا گیا ہے۔

مولانا کا ترجمہ وتفسیر بڑا متوازن، نپا تلا، فصیح وبلیغ ہے، اس کے مطالعے سے عربی اور اردو زبان پر مولانا کے عبور کے علاوہ اسلامی علوم، جدید علوم وتحقیقات اور توراۃ و انجیل پر ان کی عمیق نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔[۳۱]

انیسویں وبیسویں صدی میں کئی اور بڑی اہم اردو تفسیریں لکھی گئیں اور وہ بھی اس کی مستحق تھیں کہ ان کا مفصل تعارف کرایا جائے لیکن سردست صرف ان کے نام کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے، ان شاء اللہ آئندہ ایک علیحدہ مضمون میں ان پر بحث وگفتگو کی جائے گی ان تفاسیر کے نام یہ ہیں:

۱۔ تفسیر القرآن: سرسید احمد خاں (متوفی ۱۸۹۸ء)
۲۔ تفسیر ترجمان القرآن بلطائف الرحمان: مولانا صدیق حسن خاں (متوفی ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء)
۳۔ تفسیر فتح المنان مشہور بہ تفسیر حقانی: مولانا ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی (متوفی ۱۹۱۶ء)
۴۔ احسن التفاسیر: مولوی سید احمد حسین تعلقدار
۵۔ تفسیر وحیدی: مولانا وحید الزماں (متوفی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)
۶۔ تفسیر ثنائی: مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری (متوفی ۱۹۴۸ء)
۷۔ معارف القرآن: مولانا مفتی محمد شفیع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸۔ تفہیم القرآن: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (متوفی ۱۹۷۹ء)

۹۔ تدبر قرآن: مولانا امین احسن اصلاحی (متوفی ۱۹۹۷ء)

۱۰۔ تذکیر القرآن: مولانا وحید الدین خاں

۱۱۔ معارف القرآن: چودھری غلام احمد پرویز

اس کے علاوہ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے تفسیری حواشی جس کا زیادہ حصہ مولانا شبیر احمد عثمانی (متوفی ۱۹۴۹ء) نے لکھا ہے، یہ حواشی معلوماتی ہیں اور تحقیق سے لکھے گئے ہیں۔

حواشی ومراجع

۱۔ بدرالدین الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، داراحیاء الکتب العربیۃ، مصر، ۱۹۵۷ء، ص ۳

۲۔ جلال الدین السیوطی / اردو ترجمہ: محمد حلیم انصاری، الاتقان فی علوم القرآن، اصح المطابع، کراچی، (بدون تاریخ)، ۲/۵۴۹

۳۔ مسند احمد بن حنبل، دارالمعارف للطباعۃ والنشر، مصر، ۱۹۴۸ء، ۱۵/۵

۴۔ الاتقان فی علوم القرآن، محولہ بالا، ۲/۵۹۵-۶۶۰

۵۔ محمد طاہر بن علی الہندی الفتنی، تذکرۃ الموضوعات، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، مصر، ۱۳۴۳ھ، ص ۸۲

۶۔ سید عبدالحیٔ الحسنی، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند / اردو ترجمہ: "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" از: ابوالعرفان ندوی، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۷۰ء، ص ۲۳۱-۲۳۷

۷۔ خاتون پاکستان-قرآن مجید نمبر، کراچی، ۱۳۸۴ھ، ص ۲۸۷-۲۸۸

۸۔ تذکرہ مخطوطات کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو، مرتبہ سید محی الدین قادری زور، ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد، ۱۹۵۷ء، ۳/۶۰

۹۔ تذکرہ مخطوطات کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو، ۳/۵۹

۱۰۔ خاتون پاکستان، محولہ بالا، ص ۳۱۱-۳۱۴

۱۱۔ خاتون پاکستان، محولہ بالا، ص ۲۹۰

۱۲۔ سید حمید شطاری، قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کا تنقیدی مطالعہ ۱۹۱۴ء تک، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، حیدرآباد، ۱۹۸۲ء، ص ۶۰-۶۱

۱۳۔ شاہ مراد اللہ سنبھلی، تفسیر خدا کی نعمت (معروف بہ تفسیر مرادیہ)، مطبع للہی، ہوگلی، ۱۲۶۳ھ، ص ۳۰۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۳الف جائزہ تراجم قرآنی مجلس معارف القرآن، دیوبند ۱۹۶۸ء، ص ۱۹

۱۴ خاتون پاکستان، محولہ بالا، ص ۲۹۲-۲۹۳

۱۵ حمید شطاری، محولہ بالا، ص ۱۰۱

۱۶ سید ابوالخیر کشفی، ''تفسیر مرادیہ، حضرت شاہ مراد اللہ سنبھلی، تلخیص و مطالعہ''، برصغیر میں مطالعہ قرآن - فکر و نظر خصوصی شمارہ (اسلام آباد)، ۴-۳/۳۴، اپریل - جون ۱۹۹۹ء، ص ۲۰۷-۲۱۴

۱۷ عبدالحق، قدیم اردو، کل پاکستان انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۱۳۶

۱۸ محمد سالم قاسمی، جائزہ تراجم قرآنی، ص ۲۷-۲۸

۱۹ حمید شطاری، محولہ بالا، ص ۲۳۴-۲۳۷

۲۰ جائزہ تراجم قرآنی، محولہ بالا، ص ۲۹-۳۰

۲۱ جائزہ تراجم قرآنی، محولہ بالا، ص ۳۲

۲۲ حمید شطاری، محولہ بالا، ص ۱۸۳-۱۸۷

۲۳ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی، تفسیر موضح القرآن، علمی پرنٹنگ پریس، لاہور ۱۳۶۵ھ، ص ۳

۲۴ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: اخلاق حسین قاسمی، محاسن موضح القرآن، جلد اول، کوہ نور پریس، دہلی، ۱۹۷۶ء

۲۵ اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند (بدون تاریخ) ۱/۵-۶

۲۶ عبدالماجد دریابادی، حکیم الامت - نقوش و تاثرات، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۵۲ء، ص ۵۸۷-۵۸۹

۲۷ صلاح الدین ثانی، ''بیان القرآن مصنفہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا ایک تحقیقی جائزہ''، فکر و نظر خصوصی شمارہ، محولہ بالا، ص ۱۹۱-۱۹۳

۲۸ ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی، ۱۹۶۴ء، ۱/۷-۱۲

۲۹ ترجمان القرآن، ۵/۴-۵۷

۳۰ عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، صدق جدید بک ایجنسی، لکھنؤ (بدون تاریخ) ۱/۴ (افتتاحیہ)

۳۱ تفسیر ماجدی پر تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ فرمائیں: محمد عمیر الصدیق دریابادی، تفسیر ماجدی - ایک جائزہ، ششماہی علوم القرآن، ۸/۲، جولائی - دسمبر ۱۹۹۳ء، ص ۴۰-۵۹

© rasailojaraid.com